# بائی جدن بائی

## شوکت ہاشمی

۱۴ جولائی ۱۹۴۹ء کی رات کو فیمس سنے (cine) لیبارٹری کے تھیٹر میں نرگس آرٹ کنسرن کی طرف سے بمبئی کے اخبار نویسوں کی ایک میٹنگ بلائی گئی تھی جس میں بمبئی کے ۹۹ فی صدی اردو اخبار نویسوں نے شرکت کی۔ اس میٹنگ کا کنوینر میں تھا۔

دن کو جب میری جدن بائی سے ملاقات ہوئی تھی تو میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ بھی اس میٹنگ میں شریک ہوں گی۔ مگر انہوں نے مصروفیت کا بہانہ کر دیا۔ کہنے لگیں۔ ''میری ایک جگہ دعوت ہے اگر وقت ملا آ جاؤں گی ورنہ نہیں''۔ میٹنگ کا ٹائم آٹھ بجے تھا لیکن لوگوں کے جمع ہوتے ہوتے ساڑھے آٹھ بج گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے جب میں میٹنگ کی کاروائی شروع کرنے کے لیے کھڑا ہوا، باہر موٹر کے ہارن کی آواز آئی اور پھر جدن بائی مع اپنے مراد آبادی پاندان کے کمرے میں داخل ہو کر نہایت شگفتہ مسکراہٹ کے ساتھ آداب عرض، آداب عرض کہتی ہوئی میرے قریب کی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

کاروائی شروع ہوئی۔ میں نے اخبار نویسوں کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور پھر میٹنگ کے مقصد پر روشنی ڈالی۔ نصف گھنٹہ تک تقریر کرنے کے بعد میں نے جدن بائی سے درخواست کی کہ وہ بھی اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ جدن بائی نے نہایت سنجیدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ کرسی پر اطمینان سے پہلو بدل کر بیٹھیں۔ پاندان کھول کر ایک پان خود کھایا اور باقی دوسروں کی طرف بڑھا دیے۔ اور پھر بولنے لگیں۔

ابتدائی چند لمحوں تک میں کچھ گھبرایا گھبرایا سا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جدن بائی بہت ہی جذباتی طبیعت کی عورت ہیں، جانے کیا بول بیٹھیں۔ ان پرانے اور کہنہ مشق نقادوں اور جرنلسٹوں کے سامنے کہیں سبکی نہ ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو جدن بائی کوئی ایسی تلخ بات کہہ جائیں کہ لوگوں کو

ناگوار گزرے۔ لیکن جوں جوں وہ بولتی گئیں مجھے تسکین سی ہوتی گئی۔ میں حیرت سے ان کا چہرہ تک رہا تھا۔ خوب صورت الفاظ، شاندار استعاروں، عمدہ تشبیہات اور شائستہ جملوں کا ایک سمندر تھا جو ہال کے ہر گوشے میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہ بول رہی تھیں اور اخبار نویس ہمہ تن گوش بیٹھے سن رہے تھے۔ پھر اچانک تقریر نے مزاحیہ رنگ اختیار کر لیا۔ سارا ہال قہقہوں سے گونجنے لگا اور اخبار نویس کرسیوں سے اچھل اچھل پڑے۔

جدن بائی مسلسل ڈیڑھ گھنٹے تک بولتی رہیں۔ انہوں نے فلم انڈسٹری کے مختلف شعبوں، ہندوستان کے اردو فلم جرنلزم، نرگس آرٹ کنسرن کی سرگرمیوں، ماہ نامہ نرگس کے اجراء کے مقاصد، اردو اخبار نویسوں کی غلط روش اور فلم انڈسٹری میں فحاشی کے موضوعات پر ایک طویل مدلل اور برجستہ تقریر کی اور ایک لمحے کے لیے کسی اخبار نویس کو گفتگو کرنے کا موقع نہ دیا۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے تک مسلسل، بے تکان، بے جھجک تقریر کرتی رہیں اور اس روز میں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ میں ایک کہنہ مشق ادیب، افسانہ نگار اور صحافی ہونے کے باوجود جدن بائی کے سامنے طفلِ مکتب ہوں۔ ایسا احساس مجھے زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

لگ بھگ ایک ہفتہ بیت گیا۔ ایک دن اتفاقیہ مجھے رنگ محل اسٹوڈیو جانے کا اتفاق ہوا۔ اسٹیج نمبر ا میں ہلچل کا سیٹ لگا ہوا تھا اور نرگس ایک گوشے میں خاموش بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ سیٹ پر سب لوگ سہمے سہمے سے نظر آ رہے تھے۔

میں نے نرگس سے پوچھا: ''بے بی! کیا بات ہے، شوٹنگ کیوں نہیں ہوئی؟''

نرگس نے اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور دائیں بائیں دیکھ کر رازدارانہ لہجے میں بولی: ''بی بی دفتر میں آصف سے جھگڑ رہی ہیں۔''

میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''کیوں؟''

نرگس نے بات گول کر دی۔ ''معلوم نہیں آپ خود جا کر دیکھ لیجئے۔''

میں سیٹ سے واپس آ کر کچھ دیر تک تو دفتر کے گرد منڈلاتا رہا۔ اندر بڑی اونچی اونچی بحث ہو رہی تھی۔ آصف بول رہا تھا۔ جدن بائی بول رہی تھی اور درمیان میں کبھی کبھار دلیپ کی میاؤں میاؤں بھی سنائی دیتی تھی۔ وہ بے چارہ دونوں طرف سے نرغے میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک بار میں نے دل کڑا کر کے دروازے سے اندر جھانکا تو جدن بائی کی نظر پڑ گئی۔ آصف نے پلٹ کر

میری طرف دیکھا اور روکھے لہجے میں بولا:

"کیا بات ہے؟"

لیکن میرے جواب دینے سے قبل جدن بائی بول اٹھیں: "آؤ، اندر آجاؤ۔"

اور میں آصف کے روکھے پن سے بھنایا ہوا اندر داخل ہوا اور کرسی گھسیٹ کر جدن بائی اور دلیپ کمار کے درمیان بیٹھ گیا۔ آصف کے چہرے پر ناگواری کی لکیریں اور زیادہ گہری ہوگئیں لیکن دلیپ کمار سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ جدن بائی نے چٹکی بجا کر سگریٹ کی راکھ جھاڑی اور پھر اسی آواز میں دلیپ کمار اور آصف کو مخاطب کرکے باتیں کرنے لگیں۔

ساری بحث کا لب لباب یہ تھا کہ سیٹ پر نرگس اور دلیپ کمار دوسرے سے گھل مل کر باتیں کررہے تھے کہ آصف نے نرگس کو ڈانٹ دیا۔ نرگس کو آصف کی ڈانٹ ناگوار گزری اور اس نے سیٹ پر کام کرنے سے انکار کردیا۔ جدن بائی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے آصف کو بلا کر بہت پھٹکارا۔ وہ بار بار دلیپ سے پوچھتیں:

"اگر تمہیں بے بی سے اُنس ہے تو تم مجھ سے کہو۔ شریف ماں باپ کی اولاد ہو، شریفانہ طریقے سے اسے اپنالو۔ سیٹ پر لوگوں کے سامنے یوں کھسر پھسر کرنے سے کیا فائدہ۔ اسے بھی بدنام کرتے ہو، خود بھی بدنام ہوتے ہو۔"

پھر آصف سے مخاطب ہوکر کہتیں کہ "تمہیں بے بی کو ڈانٹنے کا کیا حق تھا۔ تم کوئی اس کے باپ ہو، بھائی ہو، عاشق ہو؟ تمہیں اس سے کیا کہ وہ دلیپ سے کیوں باتیں کرتی ہے۔ وہ کالے کتے سے باتیں کرے تم روکنے والے کون؟"

دلیپ بے چارہ عجیب گومگو کی کیفیت میں تھا۔ آصف اس کا دوست تھا اور اس کا رویہ سراسر غلط تھا۔ جدن بائی اس کی بزرگ تھیں۔ اور پھر وہ نرگس سے شادی بیاہ کا بھی قائل نہیں تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ آصف خود نرگس کے پیچھے ریشہ خطمی ہو رہا ہے۔ اور وہ نرگس سے خود بھی مراسم بڑھانا چاہتا تھا۔

بہرحال بحث کا نہ کوئی سر تھا نہ پاؤں۔ جدن بائی بار بار دلیپ کے دل کی بات کریدنے کی کوشش کرتیں اور دلیپ پہلو بچا جاتا۔ آخر بہت دیر کے بعد سیٹ پر سے اوجھا کا پیغام آیا کہ شاٹ تیار ہے اور بحث نا تمام رہ گئی۔ دلیپ اور آصف اٹھ کر چلے گئے۔ جدن بائی نے اپنے

کو بلا کر کہا کہ "بے بی سے کہو کام کرے۔ کسی کا کام حرج نہیں ہونا چاہیے۔"

اس رات کو نو بجے تک میں شیٹو میرین میں بیٹھا نرگس آرٹ کی فلم "پیار کی باتیں" کا اسکرپٹ لکھتا رہا۔ نرگس شام کو شوٹنگ سے واپس آ کر اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ سی۔سی آئی چلی گئی تھی۔ اختر، انور غائب تھے اور بھابیاں اپنے کمروں میں بند تھیں۔ ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں جدن بائی راما نند ساگر کی کتاب "اور انسان مر گیا" پڑھ رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ پورٹ وائن کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھی لے رہی تھیں۔ چند سین لکھ کر میں نے انہیں سنائے۔ اور پھر کاغذات میز کی دراز میں رکھ کر باہر نکل آیا۔

صبح پانچ بجے کے قریب وائی۔ایم۔سی۔اے کے دربان نے آ کر مجھے زور سے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ معلوم ہوا کہ میرا ٹیلی فون آیا ہے۔

میں بڑی بےزاری کے عالم میں لڑکھڑاتا ہوا نیچے اترا۔ راجیش ورما کا فون تھا۔ میں نے کہا:

"ورمے! تم نے پی رکھی ہے کیا؟ اتنے سویرے فون۔"

ورما نے ایک بار کھنگار کر اپنا گلا صاف کیا اور پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا:

"رات کو جدن بائی کا انتقال ہو گیا۔ جلدی آیئے۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میرے کانوں میں سیٹیاں بجنے لگیں اور چند لمحوں کے لیے مجھ پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد جب میں شیٹو میرین پہنچا تو وہاں بیسیوں آدمی جمع تھے۔ فلم انڈسٹری کے مشہور فلم سازوں اور ہدایت کاروں سے لے کر اسٹوڈیوز کے قلی تک موجود تھے۔ میں بھیڑ کو چیرتا ہوا اندر داخل ہوا اور تمام کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ زنان خانے سے بھابیوں اور نرگس کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں اور سامنے پڑے صوفے پر اختر، محبوب خاں کی گود میں سر رکھے ہچکیاں لے رہا تھا۔ اسی صوفے پر رات کو جدن بائی آرام سے بیٹھی ناول پڑھ رہی تھیں۔ دل کو یقین نہ ہوتا تھا کہ ان چند گھنٹوں میں اتنا بڑا حادثہ رونما ہو سکتا ہے۔

پھر میں نے دائیں طرف دیکھا۔ دروازے کے پاس انور[1] خاموش بےحس پتھر کے مجسمے کی طرح کھڑا ہوا چھت کی طرف گھور رہا تھا۔ اچانک زنان خانے کا دروازہ کھلا اور پھر

نرگس دیوانہ وار بھاگتی ہوئی اختر کی گود میں آ گری۔

''بھیا! کچھ کیجئے۔ کچھ کیجئے بھیا!''

اختر نے بے بسی کے انداز میں محبوب بھائی کی طرف دیکھا۔ اور محبوب بھائی دلاسے کے طور پر نرگس کا سر سہلانے لگے۔

میں نے سوچا۔ دیوانی لڑکی! بھیا بے چارہ کیا کرے گا۔ زندگی کی اس دیوار کے سامنے سکندر کا لشکر، قارون کا خزانہ، رستم کی طاقت اور سقراط کا علم سب بے بس ہے۔

نرگس پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔ اس کا دوپٹہ جانے کہاں گر گیا تھا۔ قمیض تار تار ہو گئی تھی۔ شلوار کے پائینچے چیکٹ تھے۔ وہ بار بار سر پر ہاتھ مارتی اور اختر سے مخاطب ہو کر کہتی۔ ''بھیا! بی بی چلی گئی۔ بی بی مجھ سے روٹھ کر چلی گئی۔''

عجیب منظر تھا۔ سب لوگ مجسموں کی طرح خاموش بیٹھے خلا میں گھور رہے تھے۔ محبوب، کاردار، چندولال شاہ، دلیپ، راج، آصف، مراد، یوسف مختیار، امان، جے راج، کمار، شیام، نوشاد، فریدوں کوشک، سیٹی فلی، قمرالدین، منوہر کھنہ، شکیل، کمال، مجروح، مدھوک اور بیسیوں دوسرے لوگ جن کے چہرے خزاں زدہ پتوں کی طرح زرد تھے۔ ایک عجیب بے بسی خوف اور دیوانگی کے ملے جلے تاثرات ان کے چہروں پر اچانک ابھر آئے تھے۔ جیسے ان کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ یہ کیا ہو گیا؟ کیوں ہو گیا؟ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے؟

جیسے وہ سب خواب کے عالم میں ہوں۔

اور پھر میں نے سوچا یہ سب خواب ہی تو ہے۔ بابو جی چلے گئے۔ ان کے محتاط قدموں اور آبنوسی چھڑی کی آہٹ ابھی تک اس ہال کی فضاؤں میں گونج رہی ہے۔ جس روز ان کا انتقال ہوا اس روز بھی یہی ہنگامہ تھا۔ یہی سسکیاں، یہی چیخیں اور یہی زرد اور افسردہ چہرے۔ اس روز بی بی [جدن بائی] کے بال پریشان تھے۔ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ اسی صوفے پر دیوانوں کی طرح گریبان پھاڑے زار وقطار رو رہی تھیں۔

''ارے موہن لال تم کہاں چلے گئے؟ ارے موہن لال مجھے کیوں اکیلا چھوڑ گئے۔ ہائے اب میں کیا کروں؟''

اور آج وہ اپنے موہن لال کے پاس چلی گئیں تو یہاں اور لوگ بیٹھے ان کے لیے آنسو

بہارہے ہیں۔کل یہ نہ ہوں گے،ہم نہ ہوں گےاورکوئی اوراس صوفے پر بیٹھ کر ہماری موت کا ماتم کرے گا۔

محبوب بھائی نے رومال سے اپنے آنسوپونچھےاورفریدوں کی طرف دیکھ کراونچی آواز میں بولے:

''اب بھرے بازار میں منہ پر گالی دینے والی عورت کہاں پیدا ہوگی۔''

دوپہر کے بعد میت نور باغ میں دفن کردی گئی۔

☆=☆

انتقال کے وقت جدن بائی کی عمر ۵۳ سال تھی۔وہ یوپی کے ایک گاؤں چلبلا ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئی تھیں۔بچپن کا اکثر حصہ وہیں بسر ہوا۔پھر وہ اپنی ماں کے ساتھ کلکتہ چلی آئیں اور وہیں آپ نے رقص وموسیقی کے ساتھ ساتھ اردواور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔اٹھارہ برس کی عمر میں موہن بابو سے شادی ہوئی۔موہن بابو اس وقت الہ آباد یونیورسٹی سے بی ایس سی کا امتحان دے رہے تھے۔موہن بابواور جدن بائی کی ملاقات لکھنو میں ہوئی تھی۔اس وقت اختر اور انور پیدا ہوچکے تھے۔کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں اسلام قبول کر کے موہن بابو نے جدن بائی سے نکاح کرلیا تھا۔

جدن بائی اپنے وقت کی بہترین مغنیہ تھیں۔کئی معرکوں میں انعامات اور تمغے حاصل کیے۔خاص طور پر ٹھمری گانے میں تو جدن بائی کا کوئی ثانی نہ تھا۔

کئی برس تک دربار رام پور میں کورٹ سنگر کی حیثیت سے ملازم رہیں۔۱۹۳۱ء میں پلے آرٹ مووی ٹیون کی پہلی تصویر ''راجہ گوپی چند'' میں ہیروئن کا کردار انجام دیا۔اس کے بعد مسٹر دریانی کی فلم ''انسان یا شیطان'' میں اداکاری کے جوہر دکھلائے۔پھر ساگر موویٹون کی تصاویر سیوا سدن اور رقاصہ میں پیش ہوئیں۔

رقاصہ کے اختتام پر آپ نے سنگیت مووی ٹیون کے نام سے اپنا ذاتی فلم ساز ادارہ قائم کیا جس کی تصاویر[فلمیں] ''تلاش حق''، ''میڈم فیشن''، ''آخری منزل''، ''موتیوں کا ہار'' اور ''دل کی پکار'' بے حد مقبول ہوئیں۔سوائے ''میڈم فیشن'' کے باقی تمام فلموں کی ہدایت کاری کے فرائض بھی جدن بائی نے خود انجام دیئے۔

''میڈم فیشن'' مسٹر سی۔ ایم لوہار مرحوم نے ڈائریکٹ کی تھی جو اس وقت کی سب سے پہلی پروگریسیو کہانی تھی۔ سنگیت مووی ٹیون کی ان فلموں میں جدن بائی کے ساتھ ان کے بچوں اختر، انور اور نرگس نے بھی کام کیا تھا۔

چند وجوہات کی بنا پر سنگیت مووی ٹیون بند ہوگئی اور جدن بائی اپنے بچوں اور موہن بابو کے ساتھ کلکتہ چلی گئیں جہاں انہوں نے کئی ماہ کا عرصہ بیکاری اور عسرت میں بسر کر دیا۔ نیو تھیٹرز کی سب سے پہلی فلم ''محبت کے آنسو'' کی تیاری میں بھی جدن بائی کی محنتوں کو بہت زیادہ دخل حاصل ہے۔ ہندوستان کے مشہور موسیقار کندن لال سہگل کو پردۂ سیمیں پر لانے کا سہرا جدن بائی کے سر ہے۔ ''محبت کے آنسو'' سہگل مرحوم کی پہلی تصویر تھی جس میں اسے جدن بائی کی سفارش سے کام دیا گیا تھا۔

سہگل مرحوم کی جدن بائی سے ملاقات کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ جدن بائی اس زمانے میں بمبئی میں تھیں۔ دہلی کے ایک تاجر مسٹر مصباح الاسلام کے جدن بائی اور موہن بابو سے بڑے اچھے مراسم تھے۔ وہ اکثر گھر آجایا کرتے تھے۔ اتفاق سے جدن بائی چند دنوں کے لیے بیمار ہوگئیں۔ مصباح صاحب دلچسپ اور خوش مذاق آدمی تھے۔ جب بھی گھر آتے ایک دو آدمی ساتھ لے کر آتے۔

''بی بی! یہ بہت اچھے ایکٹر ہیں۔ یہ بہت اچھا گاتے ہیں۔ یہ بہت اچھا کامیڈین ہیں۔ ان کا طبلہ سنئے، ان سے باجہ سنئے'' اور دن بھر گھر میں رونق ہوتی۔ سب ہنستے، بولتے، گاتے بجاتے اور بی بی کا دل بہلتا رہتا۔

ایک دن دوپہر کو مصباح صاحب ایک دبلے پتلے نوجوان کو اپنے ساتھ لے کر آئے اور آتے ہی اودھم مچا دیا:

''بی بی! یہ صاحب بہت اچھا گاتے ہیں۔ انہیں سنئے۔''

جدن بائی کی طبیعت پریشان تھی۔ انہوں نے پہلے تو ٹال دیا:

''پھر کبھی سن لیں گے مصباح صاحب۔''

لیکن مصباح صاحب ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے۔ مجبوراً جدن بائی نے اجازت دے دی۔ ملازم نے ہارمونیم لا کر قالین پر رکھ دیا۔ نوجوان جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور ہارمونیم کھول

کر غالب کی غزل گانے لگا۔

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے

کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے

جونہی اس نے آستائی ختم کی اور انترہ شروع کیا جدن بائی اٹھ کر بیٹھ گئیں اور حیرت سے اس کا چہرہ تکنے لگیں۔

یہ نوجوان ہندوستان کا ہردل عزیز موسیقار سہگل تھا۔غزل ختم ہوئی تو جدن بائی نے دل کھول کر تعریف کی اور بولیں:

''مصباح صاحب! میں نے اتنا درد کسی کے گلے میں نہیں پایا۔''

اور پھر سہگل سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

''مسٹر کندن لال! اگر آپ گانا سیکھنا چاہیں تو ضرور سکھاؤں گی۔''

سہگل نے بڑی انکساری سے جدن بائی کا شکریہ ادا کیا اور پھر کئی ماہ تک روزانہ جدن بائی کے پاس آ کر موسیقی کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ چند ماہ بعد جدن بائی نے ہی اسے فلم انڈسٹری میں ملازمت دلوادی۔

جدن بائی شروع سے ہی نڈر، صاف گو اور کھری طبیعت کی مالک تھیں۔زندگی بھر کسی غلط اور ناجائز دباؤ سے متاثر نہیں ہوئیں۔جس زمانے میں وہ رام پور اسٹیٹ میں ملازم تھیں نواب صاحب کے ہاں ولی عہد بہادر کی پیدائش کا جشن منایا گیا۔ہندوستان کے طول وعرض سے نامور موسیقار، گانے والیاں اور رقاصائیں بلوائی گئیں۔جدن بائی بھی اس جشن میں موہن بابو اور بچوں کے ساتھ شریک ہوئیں۔جشن کے تیسرے روز ''اربابِ نشاطِ رام پور'' کی طرف سے جدن بائی کو ایک ہزار روپیہ روزانہ پر گانے کے لیے مدعو کیا گیا۔اس مجلس کے منتظم پیارے صاحب تھے جو خود بھی مشہور گانے والے تھے (جانے اب زندہ ہیں یا انتقال کر گئے، کسی زمانے میں تو کلکتہ میں ان کا طوطی بولتا تھا)۔گانے بجانے کی محفل گرم تھی کہ ڈیوڑھی سے اطلاع آئی کہ جشن میں شریک ہونے والی تمام عورتیں جلوس کے ساتھ ''تختِ رواں'' پر نکلیں گی۔سب لوگ تیار ہونے لگے لیکن جدن بائی کا چہرہ یہ سنتے ہی متغیر ہو گیا۔خبر رساں کو ڈانٹ کر بولیں:

''تختِ رواں پر ڈومنیاں اور نٹنیاں نکلتی ہیں۔ہم ہرگز نہیں جائیں گے۔جاؤ نواب

صاحب سے کہہ دو جدن نے انکار کر دیا ہے۔''

تمام محفل پر سناٹا چھا گیا۔ریاست کے اندر نواب صاحب کی حکم عدولی کا جو نتیجہ ہوسکتا ہے سب کو معلوم تھا۔تھوڑی دیر کے بعد خبر رساں نے آ کر کہا:

''نواب صاحب نے حکم دیا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ریاست سے باہر نکل جاؤ۔''

جدن بائی بل کھا کر نشست سے اُٹھیں۔مہمان خانے میں پہنچ کر سامان باندھا اور بابو جی اور بچوں کے ہمراہ پیدل اسٹیشن روانہ ہوگئیں۔اسٹیشن پر پہنچ کر سامان پلیٹ فارم پر رکھا۔ پرس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا رقم بہت کم ہے۔مجبوراً سب کے تھرڈ کلاس ٹکٹ لیے اور گاڑی کا انتظار کرنے لگیں۔گاڑی آنے میں چند منٹ باقی تھے کہ اسٹیٹ کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔سب کے دل دھک سے ہوگئے۔ریاست کا معاملہ جانے کیا مصیبت پیش آنے والی ہے۔اتنے میں نواب صاحب کے منجھلے بھائی دلن نواب بھاگے بھاگے پلیٹ فارم پر آئے اور جدن بائی سے کہنے لگے:

''ارے جدن! تم تو خواہ مخواہ ناراض ہوگئیں۔نواب صاحب نے بلا بھیجا ہے۔واللہ ہمیں کیا معلوم کہ تخت رواں پر نکلنا معیوب بات ہے چلو......!''

جدن بائی نے بہت انکار کیا مگر دلن نواب ضد میں آ گئے۔''تم نہیں چلو گی تو میں بھی واپس نہیں جاؤں گا۔''

مجبوراً سب لوگ اسی اسٹیٹ کار میں بیٹھ کر واپس لوٹے۔کار ابھی اسٹیشن سے باہر ہی نکلی تھی کہ سامنے سے بیل گاڑیوں پر تمام موسیقار، گانے والیاں اور ان کے سازندے خراب وخستہ حالت میں اسٹیشن کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔معلوم ہوا کہ جدن بائی کے چلے جانے کی خبر سن کر نواب صاحب کی طبیعت اور منغض ہوگئی اور انہوں نے سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر محل سے نکلوا دیا۔جدن بائی کا قافلہ محل پہنچا تو نواب صاحب چشم براہ بیٹھے ہوئے تھے۔خود اٹھ کر استقبال کیا اور مسکراتے ہوئے بولے:

''ہم سے بھول ہوئی جدن! لو غصہ تھوک دو۔''

اس کے بعد جدن سترہ دن تک محل میں مقیم رہیں۔ ہر رات کو جشن ہوتا۔نواب

صاحب، ریاست کے دیگر معززین اور نواب صاحب کے دوست احباب شریک ہوتے۔ جب اٹھارویں دن جدن بائی واپس جانے لگیں تو نواب صاحب نے معاہدے کے سترہ ہزار روپوں کے علاوہ پانچ ہزار روپے بطور انعام، دوریشمی جوڑے، بچوں کے کپڑے اور قیمتی بنارسی ساڑھیاں دے کر نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا۔

جدن بائی نہایت اچھی ادیبہ تھیں۔ فارسی اور اردو پر تو اس درجہ عبور حاصل تھا کہ اچھے اچھے ادیب ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ جہاں رہیں ہمیشہ شعراء وادبا کی محفلیں منعقد کراتی رہیں۔ جوش، ساغر، بہزاد، مجروح، ماہر، جگر اور وحشت جیسے نامور، شعرا بھی ان محفلوں میں شریک ہو چکے ہیں۔

زمیندار لاہور اور ریاست دہلی جیسے بلند پایہ اخبارات میں کافی عرصہ تک مستقل لکھتی رہیں۔ کلکتہ میں عنایت دہلوی مرحوم کے اخبار ''چونچ'' کے اجراء کی ذمہ داری بھی جدن بائی کے سر ہے۔ اس اخبار میں ''خونی کون'' کے عنوان سے جدن بائی نے ۳۵۔۴۰ قسطوں میں ایک طویل افسانہ تحریر کیا تھا جس پر ملک کے طول وعرض سے بے شمار تعریفی خطوط موصول ہوئے۔ اس افسانے میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہر اشاعت میں ایسے مقام افسانہ ملتوی کرتیں کہ لوگ دیوانہ وار دوسری قسط کا انتظار کرتے۔ جس روز افسانے کی آخری قسط ختم ہوئی آغا حشر مرحوم بھاگے بھاگے گھر پر آئے اور جدن بائی کو بے حد مبارک باد دی۔

بمبئی میں جب غازی بن باسی حال مدیر ''گل وخار'' لاہور نے ہفت روزہ ''چاند'' کا اجرا کیا تو جدن بائی نے اس میں ''بمبئی کی شادی'' کے زیرِ عنوان بارہ قسطوں میں ایک اور دلچسپ ناولٹ لکھا جو ان کے پہلے افسانے ''خونی کون'' سے بھی زیادہ مقبول ہوا۔

جدن بائی کے کل پانچ بچے پیدا ہوئے۔ پہلوٹھی کی بچی کا ایک سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اختر پیدا ہوا۔ پھر انور۔ اس کے بعد نرگس۔ اور پھر ایک اور بچی پیدا ہوئی، اس کا بھی کم عمری میں انتقال ہو گیا۔ جدن بائی بظاہر بڑی غصہ ور اور تیز طبع دکھائی دیتی تھیں مگر بباطن بہت ہی نرم اور فیاض تھیں۔ ایک مرتبہ ایک پریشان حال عورت گھر میں بھیک مانگنے آ گئی۔ جدن بائی نے کہا۔ ''معاف کرو۔''

عورت سیڑھیوں پر بیٹھ گئی اور زور زور سے فریاد کرنے لگی:

''بھوکی ہوں ماں۔صبح سے کچھ نہیں کھایا۔بچے بھوکے ہیں۔''

جدن بائی بپھر گئیں۔

''حرام زادی! گھر میں کھانے کو نہیں تو بچے کیوں پیدا کرتی ہو۔ بھیک مانگتے شرم نہیں آتی۔کہیں نوکری کیوں نہیں کر لیتیں۔نکلو یہاں سے حرافہ...... کٹنی۔''

عورت بے چاری سہم گئی اور خاموشی سے اٹھ کر جانے لگی تو جدن بائی نے بٹوہ کھول کر دس روپے کا ایک نوٹ اس کے منہ پر دے مارا:

''لے مر! دو چار دن کے بعد پھر آئیو۔ کپڑے وغیرہ نکال کر رکھوں گی تمہارے لیے۔ رانڈ ننگی پھرتی ہے شرم نہیں آتی۔''

اسی طرح ایک روز کمپنی کے ڈریس میں سنتوراؤ کو ڈانٹ ڈپٹ کر نکال دیا اور بولیں:

''کل آ کر اپنا حساب صاف کر جاؤ۔ہمیں تمہاری بالکل ضرورت نہیں۔''

سنتوراؤ بے چارہ دوسرے روز اپنی تنخواہ لینے اور حساب صاف کرنے آیا تو جدن بائی دوسرے کمرے میں بیٹھی کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ سنتوراؤ کی آواز سن کر اسے اندر بلوا بھیجا۔ بولیں

''اُلو کے پٹھے آئے ہیں حساب صاف کرنے۔ شرم نہیں آتی۔بال بچوں کو بھوکا مارو گے کیا؟ جاؤ اپنا کام کرو۔ کچھ رقم ایڈوانس چاہئے تو کیشئر سے لے لو۔اور سنتوراؤ حیرت سے جدن بائی کا منہ تکنے لگا۔

جس رات جدن بائی کا انتقال ہوا ہے [ جدن بائی کا انتقال ۸ اپریل ۱۹۴۹ء کو ہوا تھا۔مرتب ]اس رات کو نو بجے تک میں شیٹو میرین میں تھا۔میرے گھر چلے جانے کے بعد وہ بستر پر جا کر لیٹ گئیں ۔گیارہ بجے کے قریب نرگس اپنی سہیلی کے گھر سے واپس آئی اور وہ بھی ان کے پاس لیٹ گئی۔تھوڑی دیر کے بعد جدن بائی کو سینے میں تکلیف سی محسوس ہوئی۔انور نے ڈاکٹر کو ٹیلی فون کر کے بلوایا۔ڈاکٹر نے آ کر انجکشن دیا اور بولا خطرے کی کوئی بات نہیں ،آرام سے سو جائیے۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد جدن بائی بہت دیر تک درد سے کراہتی رہیں۔نرگس سے مخاطب ہو کر بولیں:

''معلوم ہوتا ہے یہ درد میری جان لے کر ہی چھوڑے گا۔''

نرگس غنودگی کے عالم میں تھی۔ جھلا کر بولی۔''بی بی! آپ تو ذرا سی تکلیف سے گھبرا

جاتی ہیں۔ سو جایئے اب"۔ اور جدن بائی پہلو بدل کر لیٹ گئیں۔

رات کے ایک بجے پھر کراہنے لگیں۔ گھر کے سب لوگ جاگ گئے۔ اختر اس رات گھر پر نہیں تھا۔ وہ اپنی محبوبہ دل نواز نیلم کی آغوش میں پہنچا ہوا تھا۔ نرگس زور زور سے ان کے سینے اور کاندھوں کی مالش کرنے لگی۔ جدن بائی نے نرگس کا ہاتھ تھام کر زور سے دبایا اور کراہتے ہوئے بولیں۔ "میری جان! بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ میری جان! یہاں بہت دکھتا ہے۔"

اور پھر ایک لمبی سانس لے کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

□□□

ماخذ: یہ پری چہرہ لوگ، شوکت ہاشمی، رحمت پبلشنگ ایجنسی کراچی، ۱۹۵۶ء

حاشیہ:

[۱]۔ انور حسین (پ: ۱۹۲۵۔ م: یکم جنوری ۱۹۸۸)۔ جدن بائی کے بیٹے، نرگس کے بھائی۔ ہندوستانی فلمی صنعت سے وابستہ رہے، کل ۱۲۰ فلموں میں کام کیا۔ انور حسین کے دیو آنند کی شہرہ آفاق فلم "گائیڈ" میں بطور غفور ڈرائیور اور فلم "اصلی نقلی" میں ہیرو کے دوست کے یادگار کردار آج بھی لوگوں کو یاد ہیں۔ انور حسین کی دیگر چند فلموں میں روکی، دستک، دشمن، وکٹوریہ نمبر ۲۰۳، نوکر، شہید، بھابھی وغیرہ شامل ہیں۔

☆

شوکت ہاشمی۔ ہندوستانی و پاکستانی فلمی صنعت کے اداکار، مکالمہ و کہانی نویس، ہدایت کار، ناول و کالم نگار۔ ۱۹۲۱ء میں ملتان کے محلہ ٹبی شیر خان میں پیدا ہوئے۔ بیرون بوہڑ گیٹ واقع سینما گھر "نور محل" میں بحیثیت بکنگ کلرک ملازمت کی۔ لاہور سے گریجویشن اور علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا۔ تقسیم سے قبل بمبئی جا پہنچے اور خواجہ احمد عباس کے شاگرد ہوئے اور ان سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ ۱۹۵۴ء میں جدن بائی سے تعارف ہوا اور ان کے فلمی پرچے "نرگس" کی ادارت سنبھالی۔ جدن کے بیٹے اختر حسین کے ساتھ بطور ہدایت کار کام کیا۔ "نرگس" کی ادارت ہی کے دوران اداکارہ پورنیما سے پسند کی شادی کی جو ناکام رہی۔ پورنیما بھارتی فلمی صنعت کے ہیرو عمران ہاشمی کی دادی تھی جو ۱۵ اگست ۲۰۱۳ء کو ممبئی میں چل بسی تھی۔
شوکت ہاشمی کا نام ادبی اور فلمی صحافت کے حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔ انہوں نے ایک بھرپور زندگی گزاری تھی۔ شوکت ہاشمی کا ناول 'نیا جو بک گئی' (شمع دہلی) اپنے زمانے میں بہت مقبول ہوا تھا۔ یہ ناول

دراصل ان کا سوانحی ناول ہے جس میں انہوں نے پورنیا سے شادی اور اس میں ناکامی کے اسباب کو بیان کیا ہے۔

شوکت ہاشمی ۱۹۵۴ء میں بمبئی سے لاہور منتقل ہوئے۔ یہاں وہ مختلف اخبارات سے وابستہ رہے۔ لاہور کے ادارہ فیروز سنز کے لیے شوکت ہاشمی نے کئی کتابیں تحریر کیں۔ ان میں گیلور کے دو سفر، علی بابا چالیس چور، الہ دین اور جادو کا چراغ وغیرہ شامل ہیں۔ وہ ایک عمدہ شکاری بھی تھے اور اس موضوع پر ان کی تحریر کردہ کتابیں آج بھی فروخت ہوتی نظر آتی ہیں۔ شوکت ہاشمی نے ہم سفر، جلے نہ کیوں پروانہ، ڈاکٹر، درندہ اور بندھن نامی فلمیں بھی بنائی تھیں۔

ہندی اور پاکستانی فلموں کی اداکارہ بیگم پروین (م: ۸ ستمبر ۱۹۹۱ء) شوکت ہاشمی کی سگی بہن تھیں۔

شوکت ہاشمی کا انتقال دو مئی ۱۹۹۵ء کو لاہور میں ہوا۔ [مرتب]

●●●